eISSN:2073-3674
pISSN:1991-7813

CC BY
OPEN ACCESS

علامہ محمد اقبال کا تصورِ اصلاحِ تمدن اور مسلم دنیا

Allama Muhammad Iqbal's Concept of Reformation of Civilization and the Muslim World

ڈاکٹر رفعت چوہدری، لیکچرار، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr. Rifat Choudhry, Lecturer, GC Women University, Sialkot

ڈاکٹر محمد افضال بٹ، انچارج فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr. Muhammad Afzaal Butt, Dean Faculty of Arts and Social Sciences, GC Women University, Sialkot

ABSTRACT

Allama Muhammad Iqbal's message for the Muslims is practical struggle and that message is actually the emblem of this research topic. Because the kind of society in which Iqbal has purposed in his work for the world and for the Muslims in particular, has last in so many vague ways and directions. The researchers of Iqbal have tried a lot to understand the girth of his thoughts but they have never strived to know to what extent these thoughts of realism have benefited us in current civilized and developed age. This research work will try to divulge all those forgotten or lost factors which could play a vital role in our progress.

KEYWORDS: Allama Iqbal, Practical Struggle, Realism, Predictions, Reformation of Civilization

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، عملی جدوجہد، حقیقت پسندی، پیشن گوئیاں، اصلاحِ تمدن

دنیا میں کسی قوم کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس قوم کے افراد اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ دیں۔ افراد کے تمام افعال و حرکات دراصل قوم کے افعال و حرکات ہیں۔ اور فرد کی زندگی در حقیقت قوم کی ملکیت ہے۔ فرد اور قوم کا تعلق ہمیشہ اقبال کا موضوع رہا ہے۔ اگرچہ کائنات میں ساری نگارنگی اور بوقلمونی انسان کی بدولت ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ محض ایک معاشرتی اکائی ہے۔ اور اپنے معاشرتی عمل اور تفاعل سے جماعت کا رکن بن کر اجتماعی زندگی میں شریک ہو جاتا ہے۔ اجتماعی اور انفرادی وقار ایک دوسرے کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ خصوصاً فرد کو اجتماع کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو کر ہی وسعت،

قوت اور توانائی حاصل ہوتی ہے عمرانی نقطہ نظر سے بھی افراد جس شخصیت و کردار کے حامل ہوں گے، قوم بھی انہی رجحانات و میلانات کی آئینہ دار ہو گی۔ اقبال نے بھی فرد اور جماعت کے ربط و ضبط کی عمرانی اہمیت کو بہ نظیر عمیق دیکھا ہے۔ اور معاشرے کے استحکام کے اسباب و علل معلوم کر کے ایک نظام مرتب کیا ہے۔ دور اول کی نظموں اور مضامین میں فرد اور جماعت کے باہمی تعلق کو شاخ اور شجر، موج اور دریا، قطرہ اور دریا وغیرہ کی تشبیہوں سے بیان کیا ہے۔ **رموزِ بے خودی** کے تمہیدی عنوان "در معنی ربط فرد ملت" کے تحت جو اشعار تحریر کیے ہیں اس سے بھی اقبال کی عمرانی فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

فرد قوم آئینہ یک دیگر اند
سلک و گوہر کہکشاں و اختر اند [(1)]

اقبال کے اس شعر کا تصور عمرانی بنیادوں پر استوار ہے۔ کیونکہ اقبال کے نزدیک اگر فرد کی شخصیت پختہ نہیں ہو گی تو سوسائٹی کھوکھلی ہو گی اور افراد مناسب طور پر پنپ نہیں سکیں گے۔

فرد چوں اندر جماعت گم شود
قطرہ وسعت طلبِ قلزم شود [(2)]

یہ شعر وضاحت کرتا ہے کہ اقبال کو اس بات کا یقین ہے کہ قطرہ دریا میں مل کر فنا نہیں ہوتا بلکہ اس میں قلزم کی سی کیفیت و وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اقبال کے نزدیک فرد کا وجود بھی مثل موج دریا ہے۔ اس حقیقت کو اقبال نے اس شعر میں دریا میں کوزے کی طرح بند کیا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں [(3)]

اقبال در حقیقت ایک مثالی معاشرے کے خواہاں ہیں۔ معاشرہ یا ملت دراصل افراد سے بنتی ہیں۔ اس لیے اقبال نے فرد کی شخصیت کے تین پہلوں روحانی، ذہنی اور جسمانی پہلوؤں کی نشوونما اور ہم آہنگی پر زور دیا ہے۔ نیز قومیں چونکہ افراد سے بنتی ہیں۔ اور قوموں کا عروج و زوال افراد کی صلاحیت اور نااہلی سے منسلک ہوتا ہے اس لیے اقبال نے افراد اور اقوام کی زندگی و ترقی کا محرک انا یا خودی کی حفاظت کو قرار دیا ہے۔ لیکن عام طور پر ہر پہلو کی نشوونما اور حفاظت کے لئے کافی ریاضت و محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا تاریخ انسانیت گواہ ہے کہ زوال و انحطاط کی شکار اقوام کے منفعل افراد کو ایسی اظہر من الشمس حقیقت کی طرف متوجہ

کرنا مشکل ترین کام رہا ہے۔ کیونکہ زوال و انحطاط کے دور میں تنِ آسانی اور راحت پسندی سرایت کر جاتی ہیں۔

اقبال بقائے فرد پر زور دیتے ہیں، تحفظ خودی کی تلقین کرتے ہیں۔ مگر اس حد تک کہ بقائے فرد اور انفرادی خودی تکمیل و افزائش کی منزل طے کر کے معاشرے کی بقا اور معاشرتی خودی کے استحکام کی ضمانت بن سکے۔ ان کے نزدیک انسانیت کا فروغ اور اس کی بقا انسان کے ٹکڑوں میں بٹ جانے کے بعد ممکن ہی نہیں۔ اس تقسیم سے طبقاتی منافرت، فرقہ وارانہ جنگ وجدل، ظلم وعدم مساوات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اقبال نے اس رجعت پسندانہ رجحان کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔

اقبال کا معاشرہ فرد ملت کے جس اجتماع سے وجود میں آتا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں:

> اقبال کی نظر میں ہر چند فرد و اجتماع دونوں ضروری ہیں، اور اجتماع کی فائق حیثیت مسلم ہے۔ مگر ان کے نزدیک فرد اجتماع کا وہ سنگِ بنیاد ہے جسکی صحیح تربیت سے اچھا اجتماع اور اچھا معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ اس لیے اقبال نے بعض دوسرے سوشل فلسفوں کے برعکس فرد کو محض پرزہ اور اجتماع کا بے شعور کارندہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ ان کی نظر میں یہ ایک ایسا خود آگاہ جز ہے جو اگرچہ خود کے شعور سے بھرپور ہے مگر یہی معرفت اسے بھی سکھاتی ہے۔ کہ اجتماع کے قربانی ہی خودی کی بقا ہے۔[4]

اقبال کے نزدیک قوم کا وجود فرد کے وجود کی طرح ہے-جب تک یہ وجود ایک وحدت کا حامل نہ ہو اس کے مستقبل کے محفوظ ہونے کی کوئی ضمانت نہیں۔ اسی لئے اقبال نے اجتماعی خودی کی تشکیل کو کسی بھی قوم کا تاریخی وجود قائم رکھنے کے لیے بنیادی تقاضا قرار دیا۔ فرد وملت کا تعلق لانیفک اور زندہ عضوی تعلق ہے۔ فرد وملت دونوں ایک دوسرے کے تکمیلی کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ انسانی ارتقا کا منتہا بھی یہی ہے کہ فرد اور جماعت کے اقدارِ حیات میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ اور جو تمدن اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے وہی زندگی کی گتھیوں کو اچھی طرح سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اقبال کے نزدیک اسلامی تہذیب وثقافت یہ فریضہ بخوبی سرانجام دیتے ہیں۔ کیونکہ جس خوبی سے اسلامی تمدن میں فرد اور جماعت کے تضاد کو رفع کیا گیا ہے اور مادی وروحانی زندگی میں جو امتزاج پیدا کیا گیا ہے وہ

خود اس امر کا ضامن ہے کہ اسلامی تمدن ہر قسم کے جوکھوں میں پڑ کر جلا پائے گا۔ اور بڑے بڑے انقلابوں کے باوجود اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے گا۔

اقبال کے نزدیک افراد جلدی جلدی مٹنے والے ہیں جبکہ قومیں اپنی آئندہ نسلوں کے ذریعے اپنی زندگی کو دائمی بنالیتی ہیں۔ ان کی زندگی غیر محدود ہوتی ہے لیکن قومی تمدن کو یہ دوام موجودہ افراد کے اصلاحِ تمدن کے عمل سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ سیاسی محکومیت سے زیادہ خطرناک ذہنی وفکری غلامی ہوتی ہے۔ اقبال نے افراد کے اصلاحِ تمدن پر زور بھی اسی لیے دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی [5]

حقیقت یہ ہے کہ اقبال فرد کو اجتماعی زندگی کی اخلاقی اقدار کے تابع دیکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر تمدن محال ہے۔ اور فرد کی شخصیت کا بے بہا جوہر اجتماعی ماحول کے بغیر آب وتاب اور خودی کی پرورش جو کہ حاصلِ حیات ہے، حاصل نہیں کر سکتا۔ بالعموم انفرادی جدت طرازی کے نتائج اجتماعی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں۔ سائنٹفک ایجاد بھی پہلے ایک شخص کرتا ہے۔ بعد میں یہ ایجاد اپنے اثرات ونتائج کے اعتبار سے اجتماعی حثیت اختیار کر لیتی ہے۔ بلکل اسی طرح تمدنی قدروں کی تخلیق بھی افراد کرتے ہیں۔ جن کی اشاعت پوری جماعت میں ہو جاتی ہے۔

افراد ہی وہ مرکز ہیں جن کے اردگرد اجتماعی تصورات و جذبات جمع ہوتے ہیں۔ بودلئیر کے مطابق حقیقی ترقی جو اخلاقی ترقی سے عبارت ہے فرد کی ذات اور فرد کے ذریعے ہی سے ممکن ہے۔ دوسری طرف کبھی جب جماعت زیادہ قوت حاصل کر لیتی ہے تو فرد کو ابھرنے اور اپنی صلاحتیں بروئے کار لانے کا موقع باقی نہیں رہتا۔ وہ جماعت کے مصنوعی شکنجوں میں ایسا جکڑ جاتا ہے کہ اس کی فطری جدت اور اپج فنا ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال ہمیں یورپ کے ازمنہ وسطیٰ کے تمدن میں ملتی ہے۔ جبکہ جماعت ہی اس بات کا تعین کرتی تھی کہ فرد کس طرح اپنی روزی کمائے، کس طرح حکومت و کلیسا کی اطاعت کرے، کن کن رسموں کو برتے اور کن لوگوں سے کس طرح کا تعلق رکھے۔ اس تمدن میں فرد پوری طرح جماعت کا تابع تھا۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد سے اس کے خلاف ردِ عمل شروع ہوا۔ اور صنعتی انقلاب کے وقت اس کا پوری قوت کا ساتھ اظہار ہوا۔ اور سرمایہ داری کی جدید تہذیب نے جنم لیا۔ اس جدید تہذیب نے انسان کو شہنشاہ کی غلامی سے نجات دلا کر اس کے پاؤں میں سرمایہ داروں کی بنائی ہوئی سنہری زنجیریں ڈال دیں۔ یہ تہذیب آزادی کے نشے

میں ایسی چور ہوئی کہ اجتماعی زندگی کے دائمی آئین اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔انسان کی آزادیاں اس کی مصیبت کا سبب بن گئیں۔

اقبال کی نگاہِ دوربین ان تمام نتائج کا تجزیہ اس دور میں بھی کر رہی تھی آج جن سے دنیا دوچار ہے۔اسی لیے اقبال نے مجموعی قومی تمدن کی اصلاح کے لیے انفرادی اصلاحِ تمدن پر زور دیا۔اور اہلِ ہندوستان بالخصوص مسلمانوں کو اس مسئلے پر غور وفکر کی ترغیب دلائی۔کیونکہ اقبال کے نزدیک اصلاحِ تمدن کا سوال مسلمانوں کے لیے ایک مذہبی سوال اور اسلامی تمدن اصل میں مذہب اسلام کی عملی صورت کا نام ہے۔اور تمدنی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اصولِ مذہب سے جدا ہو سکتا ہو۔مسلمان قوم کو ملت کے ساتھ رابطہ استوار کرنے اور اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی ترغیب اپنی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" میں یوں دلاتے ہیں۔

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند
رایت صدق وصفا را کن بلند
اہلِ حق را زندگی از قوت است
قوتِ ہر ملت از جمیعت است (6)

دنیا میں کسی قوم کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک اس کے افراد اپنی ذاتی اصلاح کی طرف توجہ نہ دیں۔اقبال نے تمام عروج کی بنیاد نسلِ نو کی تعلیم کو قرار دیا۔اقبال کا تصورِ تعلیم مقصدیت و افادیت کا حامل ہے۔اس میں فلسفہ خودی و خود شناسی بھی ہے۔اور دین و زندگی سے لگاؤ بھی۔کیونکہ کسی قوم کا نظامِ تعلیم اپنے مزاج، مواد اور موضوعات کے اعتبار سے نہ تو نظریاتی رنگ سے خالی ہو سکتا ہے۔اور نہ اس میں اتنی معروضیت ہوتی ہے کہ اسے اقدار کی گرفت سے آزاد قرار دیا جاسکے۔گویا تعلیم مذہب اور عقیدہ سے الگ نہیں ہو سکتی۔بے عقیدہ تعلیم زندگی کے بنیادی اور زندہ مسائل پر عبور نہیں رکھتی۔

اقبال ان تمام نتائج پر گہری نظر رکھتے تھے۔آج جو مسائل تعلیم کے میدان میں موجود ہیں اقبال نے بہت پہلے ان مسائل کو ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔اقبال ایسی تعلیم کو بے فائدہ سمجھتے ہیں جو انسان کی ذہنی و جسمانی اور اخلاقی تربیت نہ کر سکے۔وہ تعلیم کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت

پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات[7]

اقبال نے نہ صرف تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا بلکہ تعلیم کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے، اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی۔ اور مسلمانوں کو احساس دلانے کی کوشش کی کہ ان ناگفتہ بہ حالات کے پیشِ نظر انہیں کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اقبال کے نزدیک حالاتِ زمانہ کا ساتھ دینے کے لیے تعلیم کی ترجیحات کا بھی از سرِ نو تعین ضروری ہے۔ اور تعلیم کی نوعیت ایسی ہونی چاہیے جس کی بنیاد ضروریات پر مبنی ہو۔ اور وہ بھی ان ضروریات پر، جو زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی بدولت پیدا ہوئی ہوں۔ یا جن کے پورا کرنے سے قومی زندگی میں ترقی کا عنصر شامل ہوتا ہو۔ یعنی تعلیم کی نوعیت و معیار قومی زندگی کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے متعین کیا جائے۔ اپنی اس رائے کی وضاحت کے لیے انہوں نے انگلستان کی مثال ان الفاظ میں دی ہے۔

> انگلستان ایک تجارتی قوم ہے۔۔۔ انگلستان ایک بہت بڑی دکان ہے۔ جس سے تمام دنیا کی قومیں اپنی ضروریات کی چیزیں خرید سکتی ہیں۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ انگلستان کو زیادہ تر ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس کے تجارتی کاروبار کو سرانجام دے سکیں۔ لٰہذا یہ ضروری ہے کہ ایسے ملک میں تعلیم کا مدعا زیادہ تر تجارتی قابلیت پیدا کرنا ہے۔ اور اگر واقعات کی رو سے دیکھا جائے تو انگلستان نے اپنی قومی تعلیم میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے۔[8]

دراصل ایک مہذب اور بہترین معاشرہ اسی صورت وجود میں آتا ہے جبکہ افراد خوش اخلاق، سچے اور دیانتدار ہوں۔ جب انسانوں کی تمام ضروریات پوری ہو رہی ہوں۔ ایسے ہی میں معاشرے کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اقبال بھی ایسے ہی معاشرے کے خواہشمند تھے۔ اور چونکہ معاشرے کی تربیت کا دارومدار تعلیم کی نہج پر ہوتا ہے، اس لیے اقبال نے نہ صرف تعلیم بلکہ طریقہء تعلیم اور نوعیتِ تعلیم کے مسئلہ کو اپنے افکار میں خصوصی اہمیت دی ہے۔

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

> اقبال کے نزدیک تعلیم کی غایت نفسِ انسانی کو تسخیرِ کائنات کی لئے تیار کرنا ہے۔ اور اس غرض کے لیے ایسے فائق افراد پیدا کرنا ہے، جو صالح سے صالح تر معاشرہ کی تخلیق کر سکیں۔ اس کے لیے خودی کی ضرورت بنیادی ہے۔[9]

اقبال جس معاشرے کے خواہشمند نظر آتے ہیں آج اگر اس حوالے سے جائزہ لیں تو آج کے دور میں جبکہ مادی ترقی، تکنیکی قوت اور طرزِ رہائش کے پرشکوہ طریقے انسان کی ترقی کی معراج سمجھے جاتے ہیں، چین جیسا ملک اپنے معاشرے کے اعتبار سے انتہائی قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہاں نہ شان ہے نہ شوکت۔ آزادی کی نصف صدی کے بعد ٹیکنالوجی میں کماحقہ ترقی کرنے کے بعد بھی اسراف سے پرہیز اس قوم کی پہچان ہے۔ اس کی سب سے زیادہ قابل قدر چیز بااخلاق معاشرہ ہے۔ ہر فرد اپنے فرض کو پورا کرنے میں پوری لگن سے کام کرتا ہے۔ اور یہ سب صرف چین کی عوام کے شعور کی بدولت ہے۔ آج کے دور میں اقبال کی تعلیم کے حوالے سے یہ پیش گوئی اس طرح بھی ثابت ہوئی ہے کہ جن ملکوں نے تعلیم کی فوقیت کو تسلیم کرتے ہوئے نظامِ تعلیم میں ضروری اور بنیادی تبدیلیاں کی ہیں، وہ ہی ترقی یافتہ ہیں۔

آج پاکستان کا اس ترقی کے حوالے سے جائزہ لیں تو پاکستان ترقی کے میدان میں بہت پیچھے نظر آتا ہے۔ یہاں تعلیم، نصاب، زبان، رویے اور طرزِ تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ باقی پہلوؤں سے قطع نظر تعلیم کے مسئلے پر بات کرلیں تو آج گلوبیت کے زیرِاثر انگریزی زبان ہر ملک میں دوسری زبان کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ پاکستانی بھی اس طرح سے انگریزی پڑھ لیتے تو اچھا تھا۔ آج حد یہ ہے کہ کُتب کی تحریر تو انگریزی ہے لیکن ہمارے پاس ایک طرف نہ تو انگریزی پڑھانے کے اساتذہ موجود ہیں۔ دوسری طرف طریقہ تعلیم اردو زبان سے موافقت پر مبنی ہے۔

"قومی زندگی" کا اگر تجزیاتی لحاظ سے مطالعہ کیا جائے تو اصلاحِ تمدن کے حوالے سے جو خصوصیات ہمارے سامنے آتی ہیں وہ جذبے اور عقل کا خوشگوار امتزاج ہیں۔ خیالات کا ایک ایسا بہاؤ ہے جس میں بے ساختہ طور پر بعض برجستہ فقرے تصویر پیرائے میں نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جذبے اور فکر میں سلاست اور روانی کے ساتھ ساتھ تشبیہات کا استعمال عبارتوں کو اور بھی موثر بناتا ہے۔ بلکہ ان کا حل بھی ملتا ہے

بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> اس میں تاریخ، عمرانیات اور فلسفے کا علم، بااعتبارِ موضوع گہرائی کی لہر سی دوڑاتا ہے۔ واقعاتِ عالم کے محرکات اور اس کے نتائج پر علامہ کی نظر بڑی گہری ہے۔[(10)]

مختصر یہ کہ اگر کوئی قوم اپنی وجودیت کو وقت اور علاقے کی پہنایوں میں نہیں پہچانتی تو وہ اپنے دور کے تقاضوں سے نبرد آزما نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ مغرب ہمیں ازخود

ٹیکنالوجی سکھا دے۔ موجودہ دور میں جیسے جیسے تکنیکی انقلاب اگے بڑھ رہا ہے بین الاقوامی کش مکش میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اقتصادی الجھنوں کے باعث دنیائے عالم میں عجب کھچاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ تیسری دنیا کو تعلیم و تحقیق کے ذریعے ایسے وسائل دریافت کرنے پڑیں گے جن کی مدد سے قومی انتشار پر قابو پایا جاسکے۔ لہٰذا ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے تعلیمی ترجیحات کے ساتھ ساتھ اصلاحِ تمدن کو از سرِ نو متعین کرنے کی ضرورت ہے، جسے اقبال کی نگاہِ مستقبل شناس ایک مدت سے پہلے دیکھ چکی تھی اور ہماری اصلاح کے لوازمات فراہم کر چکی تھی۔

حوالہ جات

1۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، "کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص144

2- ایضاً، ص144

3- محمد اقبال، ڈاکٹر، "کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص، 207

4۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، 'اعجازِ اقبال"، ص، 574

5۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، "کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص، 272-288

6۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، "کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص948

7۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، "کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص، 434

8- عبدالواحد معینی (مرتبہ)، "مکالاتِ اقبال"، ص، 97-98

9۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، 'اعجازِ اقبال"، ص، 517

10۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، "اقبال کی اُردو نثر"، ص، 185